صبر مصائب میں

〈۱〉 عَنْ صُهَیْبٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: عَجَبًا لِّاَمْرِ الْمُؤْمِنِ اِنَّ اَمْرَهٗ كُلَّهٗ لَهٗ خَیْرٌ وَّ لَیْسَ ذٰلِكَ لِاَحَدٍ اِلَّا لِلْمُؤْمِنِ اِنْ اَصَابَتْهُ سَرَّآءُ شَكَرَ فَكَانَ خَیْرًا لَّهٗ وَ اِنْ اَصَابَتْهُ ضَرَّآءُ صَبَرَ فَكَانَ خَیْرًا لَّهٗ۔ (مسلم)

ترجمہ: حضرت صہیبؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ''مومن کا معاملہ عجیب وغریب ہے۔ اس کا تو ہر معاملہ اس کے حق میں سراپا خیر ہوتا ہے اور یہ بات مومن کے سوا کسی کو بھی حاصل نہیں ہے۔ اگر اسے خوشی اور راحت پہنچے تو شکر ادا کرتا ہے تو یہ اس کے لیے خیر ہوتا ہے اور اگر اسے کوئی تکلیف ومصیبت پہنچے تو وہ صبر کرتا ہے تو یہ بھی اس کے لیے سرتاسر خیر ہوتا ہے۔''

تشریح: آدمی کی زندگی دو حال سے خالی نہیں ہوتی۔ یا تو اسے آرام اور عیش حاصل ہوگا یا اسے کسی تکلیف اور مصیبت کا سامنا کرنا پڑ رہا ہوگا۔ ان میں سے جو حالت بھی پیش آئے مومن اس سے خیر ہی سمیٹتا ہے۔ اور یہ خصوصیت صرف مومن ہی کو حاصل ہوتی ہے۔ غیر مومن شخص نہ خوشیوں اور آرام وراحت سے کوئی فائدہ اٹھاتا ہے اور نہ رنج ومصیبت سے۔ اسے اگر آرام و راحت کی زندگی میسر ہوتی ہے تو وہ متکبر بن جاتا ہے۔ اس کی زندگی میں سرکشی اور ناسپاسی کے سوا آپ کچھ نہیں دیکھیں گے۔ اور اگر کوئی مصیبت پیش آتی ہے تو وہ بے قرار ہوکر جزع فزع کرنے لگتا ہے۔ پھر ایک بندۂ شاکی کے سوا آپ اسے کچھ نہیں پائیں گے۔

لیکن مومن کا طرزِ عمل اس سے بالکل مختلف ہوتا ہے۔ خوشی اور راحت میں وہ اپنے خدا کا شکر گزار ہوتا ہے اور اگر اسے کوئی مصیبت اور تکلیف پہنچتی ہے تو وہ صبر کا دامن تھام لیتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ اس میں اس کے لیے کوئی نہ کوئی بھلائی ہوگی۔ وہ اپنے رب کے فیصلے پر راضی ہوتا ہے۔ یہ شکر وصبر درحقیقت زندگی کی وہ اعلیٰ قدریں ہیں جن کے بغیر ہم کسی اعلیٰ کردار کا تصور نہیں کر سکتے۔

﴿۲﴾ وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: مَا یَزَالُ الْمُؤْمِنُ یُصَابُ فِیْ وَلَدِهٖ وَ حَآمَّتِهٖ حَتّٰی یَلْقَی اللّٰهَ وَ لَیْسَتْ لَهٗ خَطِیْئَةٌ۔ (مؤطاامام مالک)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے ارشادفرمایا: ''مومن کو اپنی اولاد اور اپنے اعزّہ کے سلسلے میں رنج ومصیبت پہنچتی رہتی ہے یہاں تک کہ وہ اپنے رب سے اس حالت میں ملتا ہے کہ اس کا کوئی گناہ باقی نہیں رہتا۔''

تشریح: اولاد ہو یا اعزّہ واقرباء، ان کے جدا ہونے کا غم فطری ہے۔ دنیا میں رنج وغم کا یہ سلسلہ زندگی کے ساتھ لگا ہی رہتا ہے۔ دنیا میں اس غم سے مفرنہیں۔ مومن بھی اس رنج وغم سے دوچار ہوتے ہیں۔لیکن وہ اس پر خدا کی خاطر صبر سے کام لیتے ہیں۔ یہ رنج ومصیبت جس پر اہل ایمان صبر کرتے ہیں خدا اسے ان کے عام گناہوں اور کوتاہیوں کا کفارہ بنادیتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بندۂ مومن جب دنیا سے جاتا ہے تو وہ گناہوں کی آلائشوں سے بالکل پاک وصاف ہوتا ہے۔مصائب پرصبر اختیار کرنے کا اجروثواب اس سے بڑھ کر اور کیا ہوسکتا ہے۔

ترمذی میں یہ حدیث ان الفاظ میں مروی ہے: مَا یَزَالُ الْبَلآءُ بِالْمُؤْمِنِ وَالْمُؤْمِنَةِ فِیْ نَفْسِهٖ وَ وَلَدِهٖ وَ مَالِهٖ حَتّٰی یَلْقَی اللّٰهَ تَعَالٰی وَمَا عَلَیْهِ خَطِیْئَةٌ۔ ''مومن مردوں اور مومن عورتوں پر آزمائشیں آتی رہتی ہیں۔ کبھی خود اس پر کوئی مصیبت آتی ہے، کبھی اس کی اولاد پر اور کبھی اس کے مال پر (اور وہ صبر اختیار کرتا ہے جس سے اس کا قلب صاف ہوتا رہتا ہے اور برائیاں اس سے دور ہوتی رہتی ہیں) یہاں تک کہ جب وہ اللہ تعالیٰ سے ملتا ہے تو اس کے ساتھ کوئی گناہ نہیں ہوتا۔''

﴿۳﴾ وَ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍؓ قَالَ: قَالَ النَّبِیُّ ﷺ: لاَ یَتَمَنَّیَنَّ اَحَدُکُمُ الْمَوْتَ مِنْ ضُرٍّ اَصَابَهٗ فَاِنْ کَانَ لاَ بُدَّ فَاعِلاً فَلْیَقُلِ اللّٰهُمَّ اَحْیِنِیْ مَا کَانَتِ الْحَیٰوةُ خَیْرًا لِّیْ وَ تَوَفَّنِیْ اِذَا کَانَتِ الْوَفَاةُ خَیْرًا لِّیْ۔ (بخاری،مسلم)

ترجمہ: حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے کوئی شخص اس تکلیف وضرر کی وجہ سے جو اسے پہنچی ہو موت کی تمنا نہ کرے۔ اور اگر یہ تمنا کرنا اس کے لیے ناگزیر ہو تو اسے یہ کہنا چاہیے: اے اللہ مجھے اس وقت تک زندہ رکھ جب تک زندگی میرے لیے بہتر ہو اور مجھے موت دے اس وقت جب کہ مرنا میرے لیے بہتر ہو۔''

تشریح: ضرر مالی بھی ہوسکتا ہے اور جسمانی بھی۔ موت کی تمنا کرنا کسی حال میں صحیح نہیں ہے۔ کسی کو اگر کوئی ضرر پہنچا ہے تو اس کا اجر وثواب بھی غیر معمولی ہے۔ پھر بھی اگر نا گزیر ہو تو دعا کا وہ انداز اختیار کرنا چاہیے جس کی تعلیم اس حدیث میں دی گئی ہے۔ خدا سے موت طلب کرنا تو درست نہیں ہے لیکن خدا کے راستے میں شہید ہونے کی آرزو مستحب ہے۔

﴿۴﴾ وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: یَقُوْلُ اللّٰهُ مَا لِعَبْدِی الْمُؤْمِنِ عِنْدِیْ جَزَآءٌ اِذَا قَبَضْتُ صَفِیَّهٗ مِنْ اَهْلِ الدُّنْیَا ثُمَّ احْتَسَبَهٗ اِلَّا الْجَنَّةَ۔ (بخاری)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ فرماتا ہے: ''میرے اس مومن بندے کی میرے پاس جنت ہی جزا ہے جس کے کسی عزیز ترین فرد کو اہلِ دنیا میں سے میں اٹھالوں اور وہ اس پر میری خاطر صبر کرے۔''

﴿۵﴾ وَ عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَؓ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ: یَقُوْلُ اللّٰهُ تَبَارَکَ وَ تَعَالٰی یَا ابْنَ اٰدَمَ اِنْ صَبَرْتَ وَاحْتَسَبْتَ عِنْدَ الصَّدْمَةِ الْاُوْلٰی لَمْ اَرْضَ لَکَ ثَوَابًا دُوْنَ الْجَنَّةِ۔ (ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت ابوامامہؓ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اے آدم کے بیٹے! اگر تو نے صدمہ کے شروع میں صبر کیا اور میری رضا اور اجر وثواب کو پیش نظر رکھا تو میں تیرے لیے جنت سے کم اور اس کے سوا کسی اجر وثواب پر راضی نہ ہوں گا۔''

تشریح: کسی صدمہ کا اثر درحقیقت ابتدا ہی میں سب سے زیادہ ہوتا ہے۔ کچھ دن گزر جانے پر تو طبعی طور سے غم اور صدمہ کا اثر خود بہ خود زائل ہوجاتا ہے۔ اسی لیے صدمہ کے شروع میں صبر کرنے کے اجر وثواب کا ذکر فرمایا گیا۔

صبر کی وجہ سے بندہ کا اپنے خدا سے کچھ ایسا تعلق ہوجاتا ہے کہ خدا یہ پسند نہیں کرتا کہ وہ اپنے اس بندہ کو جس نے اس کی خاطر صبر کیا اپنی سب سے بڑی نعمت جنت نہ دے۔

﴿۶﴾ وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لِنِسْوَةٍ مِّنَ الْاَنْصَارِ لَا یَمُوْتُ لِاِحْدٰکُنَّ ثَلٰثَةٌ مِّنَ الْوَلَدِ فَتَحْتَسِبُهٗ اِلَّا دَخَلَتِ الْجَنَّةَ فَقَالَتِ امْرَاَةٌ مِّنْهُنَّ اَوِ اثْنَانِ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، قَالَ اَوِ اثْنَانِ۔ (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے انصار کی کچھ عورتوں سے فرمایا: ''تم میں سے جس کسی کے تین بچے مرجائیں اور وہ ثواب کو پیش نظر رکھے (صبر کرے) تو وہ لازماً جنت میں داخل ہوگی۔'' ان عورتوں میں سے ایک نے عرض کیا: یا دو بچے مریں اے اللہ کے رسول! آپؐ نے فرمایا: ''یا دو مریں (جب بھی یہی بشارت ہے)۔''

تشریح: بخاری و مسلم کی ایک روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں: لَهُمَا ثَلٰثَةٌ لَمْ يَبْلُغُوا الْحِنْثَ، ''تین بچے جو حد بلوغ کو نہ پہنچے ہوں۔'' چھوٹے بچوں سے ماں کی محبت بڑوں کی بہ نسبت زیادہ ہوتی ہے۔ اس لیے ان کے مرنے کا صدمہ بھی زیادہ ہوتا ہے۔ چھوٹے بچے ماں کے بالکل تابع ہوتے ہیں۔ ان کا سارا انحصار ماں ہی پر ہوتا ہے۔ یہ بھی ایک بڑی وجہ ہے کہ ان سے ماں کو انتہائی تعلق اور لگاؤ ہوتا ہے۔

﴿۷﴾ وَ عَنْ مُعَاذٍؓ اَنَّهٗ مَاتَ لَهٗ اِبْنٌ فَكَتَبَ اِلَيْهِ النَّبِيُّ ﷺ اَلتَّعْزِيَةَ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ مِنْ مُحَمَّدٍ رَّسُوْلِ اللّٰهِ اِلٰى مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ سَلَامٌ عَلَيْكَ فَاِنِّيْ اَحْمَدُ اِلَيْكَ اللّٰهَ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَمَّا بَعْدُ فَاَعْظَمَ اللّٰهُ لَكَ الْاَجْرَ وَاَلْهَمَكَ الصَّبْرَ وَ رَزَقْنَا وَ اِيَّاكَ الشُّكْرَ فَاِنَّ اَنْفُسَنَا وَ اَمْوَالَنَا وَ اَهْلَنَا مِنْ مَّوَاهِبِ اللّٰهِ الْهَنِيْئَةِ وَ عَوَارِيْهِ الْمُسْتَوْدَعَةِ مَتَّعَكَ اللّٰهُ بِهٖ فِيْ غِبْطَةٍ وَّ سُرُوْرٍ وَ قَبَضَهٗ مِنْكَ بِاَجْرٍ كَبِيْرٍ، اَلصَّلٰوةُ وَالرَّحْمَةُ وَالْهُدٰى اِنِ احْتَسَبْتَهٗ فَاصْبِرْ وَلَا يُحْبِطُ جَزَعُكَ اَجْرَكَ فَتَنْدَمَ وَاعْلَمْ اَنَّ الْجَزَعَ لَا يَرُدُّ مَيْتًا وَّلَا يَدْفَعُ حَزَنًا وَّمَا هُوَ نَازِلٌ فَكَانَ قَدْ۔ وَالسَّلَامُ۔ (الطبرانی فی الکبیر والاوسط)

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ ان کے ایک لڑکے کا انتقال ہوگیا تو رسولِ خدا ﷺ نے انھیں یہ تعزیت نامہ لکھوایا: اللہ کے نام سے جو رحمٰن و رحیم ہے۔ اللہ کے رسول محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی جانب سے معاذ بن جبل کے نام۔ سلامٌ علیک! میں اس خدا کی تم سے حمد بیان کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ بعد ازاں، خدا تمھیں اجر عظیم دے اور تمھارے دل کو صبر عطا فرمائے اور ہمیں اور تمھیں (اپنی نعمتوں پر) شکر کی توفیق دے۔ حقیقت

یہ ہے کہ ہماری جانیں اور ہمارے اموال اور ہمارے اہل وعیال سب خدا کی مبارک ومرغوب عطیات ہیں اور اس کی سونپی ہوئی امانتیں ہیں۔ خدا نے اس سے عیش و سرور کے ساتھ نفع اٹھانے اور لطف اندوز ہونے کا موقع عنایت فرمایا اور اسی نے اسے تم سے بڑے اجر کے صلہ میں واپس لے لیا۔ خاص نوازش، رحمت اور ہدایت (کی بشارت) ہے اگر تم نے اجر وثواب کے پیش نظر صبر کیا۔ پس صبر کرو اور ایسا نہ ہو کہ تمھاری بے تابی و بے صبری تمھارے اجر وثواب کو غارت کر دے۔ پھر تمھیں ندامت ہو۔ جان رکھو کہ کوئی مرجانے والا بے صبری و بے تابی سے لوٹنے کا نہیں اور نہ اس سے رنج وغم کبھی دور ہوتا ہے۔ اور جو کچھ واقع ہونے کو ہوتا ہے حقیقت میں وہ واقع ہو چکا ہوتا ہے۔''

تشریح: فرمایا گیا کہ بچے کے انتقال پر جو گہرا صدمہ تمھیں پہنچا ہے اس پر خدا تمھیں اجرِ عظیم سے نوازے اور تمھارے دل کو صبر وسکون عطا کرے۔

ہمارے پاس جو چیزیں بھی ہیں ہم ان کے مالک نہیں ہیں۔ ان کا اصل مالک تو خدا ہی ہے۔ وہ جب تک چاہتا ہے ہمیں اس کا موقع عطا فرماتا ہے کہ ہم ان سے فائدہ اٹھائیں اور ان سے دل بہلائیں۔ اور جب اس کی مشیت ہوتی ہے وہ اپنی چیز واپس لے لیتا ہے لیکن واپس لینے کے صلہ میں اس کے یہاں ہمارے لیے اجر کبیر (بڑا اجر) ہے۔ یہ اس کا انتہا درجہ کا کرم اور نوازش ہے کہ ''لیتا ہے اپنی چیز، پھر بھی مفت نہیں لیتا۔

قرآن میں ہے: اَلَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَتْھُمْ مُّصِیْبَۃٌ لا قَالُوْآ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَo ط اُولٰٓئِکَ عَلَیْھِمْ صَلَوَاتٌ مِّنْ رَّبِّھِمْ وَ رَحْمَۃٌ قف وَ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُھْتَدُوْنَo (البقرہ ۱۵۶: ۱۵۷)

''جو اس وقت جب کہ ان پر کوئی مصیبت آتی ہے کہتے ہیں' بے شک ہم اللہ کے ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں، یہی لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی خاص نوازشیں ہیں اور رحمت بھی اور یہی ہیں جو ہدایت یاب ہیں۔'' حضور اکرم (ﷺ) نے قرآن کی دی ہوئی اسی بشارت کی روشنی میں اپنے تعزیت نامہ میں یہ الفاظ لکھوائے ہیں: اَلصَّلوٰۃُ وَالرَّحْمَۃُ وَالْھُدیٰ اِن احْتَسَبْتَہٗ۔ ''خاص نوازش اور رحمت اور ہدایت کی بشارت ہے اگر تم نے اجر وثواب کے پیشِ نظر صبر کیا۔''

صبر انتقامی جذبات میں

(۱) عَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ثَلٰثٌ مِّنْ اَخْلَاقِ الْاِیْمَانِ مَنْ اِذَا غَضِبَ لَمْ یُدْخِلْهُ غَضَبُهٗ فِیْ بَاطِلٍ، وَ مَنْ اِذَا رَضِیَ لَمْ یُخْرِجْهُ رِضَاهُ مِنْ حَقٍّ وَ مَنْ اِذَا قَدَرَ لَمْ یَتَعَاطَ مَا لَیْسَ لَهٗ۔ (المعجم الصغیر للطبرانی)

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''تین باتوں کا تعلق ایمانی اخلاق سے ہے۔ جب کوئی شخص غصّہ میں ہوتو اپنے غصّہ کے زیرِاثر باطل میں نہ جا پڑے اور جب خوش ہوتو اس کی خوشی اسے حق سے بے گانہ و برگشتہ نہ کردے اور جب اسے قدرت و اقتدار حاصل ہوتو وہ چیز نہ لے جس پر اس کا کوئی حق نہ پہنچتا ہو۔''

تشریح: یہ حدیث بتاتی ہے کہ ایمان ایک خاص طرح کے اخلاق و کردار کا مطالبہ کرتا ہے۔ وہ تینوں امور جن کا اس حدیث میں ذکر ہے درحقیقت ایمان کے بنیادی تقاضوں میں شامل ہیں۔ ان کے بغیر ایمان اپنے اصل جوہر سے خالی ہی رہتا ہے۔

غصّہ آنے پر بالعموم لوگ فوراً انتقام لینے پر آمادہ ہوجاتے ہیں اور اس سلسلے ان کو جائز و ناجائز کا کچھ بھی خیال نہیں رہتا۔ ایمانی اخلاق یہ ہے کہ انتہائی غصّہ وغضب کی حالت میں بھی آدمی کوئی ایسا قدم نہ اٹھائے جو حق و انصاف کے خلاف ہو۔

خوشی اور فرحت کی حالت میں بھی عام طور پر آدمی حدود سے تجاوز کرجاتا ہے۔ وہ یہ نہیں سمجھتا کہ خدا اسے دیکھ رہا ہے۔ اس لیے خوشی ہو یا غم اس کے لیے کوئی ایسا انداز اختیار کرنا ہرگز زیبا نہیں ہے جو عدل اور حق کے منافی ہو۔

دنیا میں قدرت اور اقتدار پاکر بھی آدمی عام طور پر بھٹک جاتا ہے۔ اقتدار کا نشہ بہ آسانی اسے سرکش بنا دیتا ہے۔ جس چیز پر چاہتا ہے اپنا قبضہ جما لیتا ہے۔ قدرت اور اقتدار کسی کو اس لیے نہیں بخشا جاتا کہ وہ غاصب بن کر رہے۔ آدمی ہر حالت میں عدل و انصاف پر قائم رہے، ایمان حقیقت میں اسی چیز کا نام ہے۔ اس کے بغیر ہمارا ایمان بے روح اور بے معنی ہوکر رہ جاتا ہے۔

صبر دشمن کے مقابلہ میں

(۱) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِیْ اَوْفٰیؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فِیْ بَعْضِ اَیَّامِهِ الَّتِیْ لَقِیَ فِیْهَا الْعَدُوَّ، یَنْتَظِرُ حَتّٰی اِذَا مَالَتِ الشَّمْسُ قَامَ فِیْهِمْ فَقَالَ: یٰاَیُّهَا النَّاسُ لاَ تَتَمَنَّوْا لِقَاءَ الْعَدُوِّ وَاسْئَلُوا اللّٰهَ الْعَافِیَةَ فَاِذَا لَقِیْتُمُوْهُمْ فَاصْبِرُوْا وَاعْلَمُوْا اَنَّ الْجَنَّةَ تَحْتَ ظِلاَلِ السُّیُوْفِ ثُمَّ قَامَ النَّبِیُّ ﷺ وَ قَالَ: اَللّٰهُمَّ مُنْزِلَ الْکِتَابِ وَ مُجْرِیَ السَّحَابِ وَ هَازِمَ الْاَحْزَابِ اهْزِمْهُمْ وَانْصُرْنَا عَلَیْهِمْ۔ (مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ ان ایام میں جن میں دشمن سے آپؐ کا سامنا پیش آیا تھا۔ آپؐ نے انتظار فرمایا یہاں تک کہ جب سورج ڈھل گیا تو آپؐ لوگوں کے درمیان کھڑے ہوئے اور خطاب فرمایا: ''اے لوگو! دشمن سے مڈبھیڑ ہونے کی تمنا نہ کرو اور خدا سے عافیت کے طالب ہو۔ پھر جب ان سے مڈبھیڑ ہوجائے تو ثابت قدم رہو اور جان لو کہ جنت تلواروں کے سایے تلے ہے۔'' پھر نبی ﷺ نے کھڑے ہوکر فرمایا: ''اے اللہ! کتاب نازل فرمانے والے، بادل کو چلانے والے اور جتھوں کو بھگانے والے، انھیں بھگادے اور ان کے مقابلے میں ہماری مدد فرما۔''

تشریح: اسلام میں جنگ بہ ذاتِ خود کوئی مقصد نہیں ہے کہ آدمی دشمنوں سے نبرد آزما ہونے کی تمنائیں کرے۔ امن وعافیت بڑی نعمت ہے۔ اسے نعمت ہی تصوّر کرے اور خدا سے امن وعافیت کا طالب ہو۔ لیکن مومن اگر دشمنِ حق کو مٹانے اور اہلِ باطل کو زک دینے کے لیے مقابلے میں آجاتا ہے تو پھر میدانِ جنگ سے فرار اختیار کرنا ایمان کے منافی ہے۔ ایسی صورت میں دشمن سے ڈٹ کر مقابلہ کرنا چاہیے۔ دشمن کے مقابلے میں صبر وثبات سے کام لینا مومن کا شیوہ ہوتا ہے۔

صبر اطاعت میں

〈۱〉 عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: حُجِبَتِ النَّارُ بِالشَّهْوَاتِ وَ حُجِبَتِ الْجَنَّةُ بِالْمَكَارِهِ۔ (بخاری، مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''دوزخ کی آگ نفسانی مرغوبات سے ڈھانکی گئی ہے اور جنت ان چیزوں سے ڈھانکی گئی ہے جو نفس کو ناگوار ہوتی ہیں۔''

تشریح: یعنی شہوات و نفسانی خواہشات کی پیروی ہی انسان کو دوزخ میں لے جاتی ہے۔ خواہشاتِ نفس کے پیچھے پڑ کر انسان حق و باطل کی تمیز کھو بیٹھتا ہے۔ پھر اسے حلال و حرام کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی۔ اس کا یہ طرزِ عمل اسے نارِ جہنم کا مستحق بنا دیتا ہے۔

جنت خواہشاتِ نفس اور عیش و آرام کی قربانی مانگتی ہے۔ اس قربانی کے بغیر انسان کے اندر اعلیٰ کردار نشو و نما ہی نہیں پا سکتا۔ زندگی میں کتنے ہی ایسے مواقع آتے ہیں کہ خواہشات ہمیں ایسی چیزوں کی دعوت دیتی ہیں جو اخلاق و کردار کے لیے ہلاکت کی موجب ہوتی ہیں۔ اپنے اعلیٰ اخلاق و کردار ہی کی وجہ سے آدمی جنت کا حق دار ہوتا ہے۔

مسلم کی روایت میں حُجِبَتْ کے بہ جائے لفظ حُفَّتْ آیا ہے یعنی جنت کو ان چیزوں نے گھیر رکھا ہے جو نفس کو ناگوار ہوتی ہیں اور دوزخ کو ایسی چیزوں نے گھیر رکھا ہے جو نفس کو مرغوب و پسند ہوتی ہیں۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ جو کہا گیا ہے کہ اَلْعِلْمُ حِجَابُ اللّٰه (علم خدا اور بندے کے درمیان حجاب ہے) اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ علم ہی ہم کو خدا تک پہنچاتا ہے۔ جس طرح آدمی اور اس کی جنت کے درمیان مکارہ (مشقتوں اور تکلیفوں) کا حجاب ہے۔ جو مکارہ کو گوارا کرتا ہے یعنی خواہشاتِ نفس کی پرواہ کیے بغیر دُشواریوں اور مشقتوں کو انگیز کرتا ہے وہ جنت کو پالیتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح جو شخص علم میں در آتا ہے اسے خدا کی معرفت حاصل ہو جاتی ہے۔ خدا کی معرفت کی اور کوئی صورت نہیں ہے۔

عدل وانصاف

(۱) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِنَّ الْمُقْسِطِيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ عَلٰى مَنَابِرَ مِنْ نُوْرٍ عَنْ يَّمِيْنِ الرَّحْمٰنِ عَزَّوَجَلَّ وَ كِلْتَا يَدَيْهِ يَمِيْنٌ اَلَّذِيْنَ يَعْدِلُوْنَ فِيْ حُكْمِهِمْ وَ اَهْلِيْهِمْ وَمَا وَلُوْا۔ (مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''عادل ومنصف خدا کے یہاں نور کے منبروں پر خدائے رحمٰن عزوجل کے دائیں جانب ہوں گے اور اس کے دونوں ہی ہاتھ داہنے ہاتھ ہیں۔ وہ عادل ومنصف جو اپنے احکام، اپنے اہل اور اپنی ولایت وحکومت میں عدل کرتے ہیں۔''

تشریح: خدائے رحمٰن عزوجل کی دائیں جانب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ نہایت بلند اور عزت کے مرتبے پر فائز ہوں گے۔ ان کی حالت لوگوں کے لیے قابلِ رشک ہوگی۔ دنیا میں وہ ظلمت کے بہ جائے روشنی میں تھے۔ نورِ ہدایت سے بے بہرہ ہوکر انھوں نے زندگی نہیں گزاری تھی۔ آخرت میں بھی ان کو ان کے مناسبِ حال جزا ملے گی کہ وہ نور کے منبروں پر ہوں گے اور انھیں خدا کا انتہائی قرب نصیب ہوگا۔ دنیا میں نور ہدایت کی کیفیت قرآن میں ان الفاظ میں بیان کی گئی ہے: اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَ جَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَاؕ (الانعام:۱۲۲) ''کیا وہ شخص جو مردہ تھا، پھر ہم نے اس کو زندگی دی اور اس کے لیے روشنی کردی جس کو لیے ہوئے وہ لوگوں کے درمیان چلتا پھرتا ہے اس شخص کی طرح ہوسکتا ہے جو تاریکیوں میں پڑا ہوا ہو، اور ان سے ہرگز نکلنے والا نہ ہو۔''

دفعِ توہم کے لیے فرمایا گیا کہ خدا کے دونوں ہی ہاتھ داہنے ہیں کہ کوئی شخص یہ نہ سمجھ بیٹھے کہ جس طرح ہمارا بایاں ہاتھ داہنے کے مقابلے میں کم زور ہوتا ہے وہی کیفیت خدا کے ہاتھ کی بھی ہوگی۔ خدا ہر قسم کے ضعف اور نقص سے پاک ہے۔ خدا کے ہاتھوں کی حقیقت کیا ہے؟ اس کا صحیح علم خدا ہی کو ہے۔ ہمیں اس کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں پر ہرگز قیاس نہ کرنا چاہیے۔ قرآن میں ہے: لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ (الشوریٰ:۱۱) ''اس کے مانند کوئی شے نہیں۔''

عادل ومنصف کے احکام مبنی برعدل ہوتے ہیں۔ وہ کوئی ایسا حکم صادر نہیں کرتے جو عدل وانصاف سے ہٹ کر ہو۔ معاملہ اہل وعیال اور اپنے عزیزوں کا ہو یا کسی اور کا، عدل کا دامن ان کے ہاتھ سے نہیں چھوٹتا۔ وہ ہر کسی کے معاملہ میں عدل وانصاف کی روش پر قائم رہتے ہیں۔ حقوق کے ادا کرنے میں بھی وہ ہمیشہ شریعت کا پاس ولحاظ رکھتے ہیں۔ جو ذمّہ داری بھی ان کو سونپی گئی ہو ممکن نہیں کہ وہ اس کے سلسلہ میں غیر ذمّہ دارانہ اور غیر عادلانہ رویّہ اختیار کریں۔

﴿۲﴾ وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ: كَانَ اَهْلُ الْكِتَابِ يَقْرَءُوْنَ التَّوْرَاةَ بِالْعِبْرَانِيَّةِ وَ يُفَسِّرُوْنَهَا بِالْعَرَبِيَّةِ لِاَهْلِ الْاِسْلَامِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: لَا تُصَدِّقُوْا اَهْلَ الْكِتٰبِ وَلَا تُكَذِّبُوْا هُمْ وَ قُوْلُوْآ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ۔ الاٰية۔
(بخاری)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ اہلِ کتاب تورات کو عبرانی زبان میں پڑھتے تھے اور مسلمانوں کے لے اس کا ترجمہ وتفسیر عربی میں کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ (کو معلوم ہوا تو) آپؐ نے فرمایا: ''تم اہلِ کتاب کی نہ تصدیق کرو اور نہ ان کی تکذیب کرو۔ کہو: اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ۔ (ہم اللہ پر اور اس پر ایمان لائے جو کچھ ہماری طرف نازل کیا گیا اور جو کچھ تمھاری طرف نازل کیا گیا)۔''

تشریح: تورات مستند شکل میں موجود نہ تھی پھر اہلِ کتاب کے بارے میں یقین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا تھا کہ وہ تورات کا ترجمہ یا تفسیر کرنے میں پوری دیانت داری سے کام لیتے ہیں۔ اس لیے اس سلسلہ میں حق وانصاف کا جو تقاضا تھا حضور (ﷺ) نے اسی کے پیشِ نظر مسلمانوں کو یہ تعلیم دی کہ تم نہ اہلِ کتاب کی تصدیق کرو اور نہ تکذیب۔ تم ان کی پیش کی ہوئی کسی بات کی تصدیق یا تکذیب کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہو۔ تم تصدیق کرو، ممکن ہے وہ غلط ہو۔ یا تکذیب کرو، ممکن ہے وہ صحیح ہو۔ اس لیے حق وانصاف کی بات یہی ہوگی کہ تم کہو کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس پر کہ جو کچھ ہماری طرف نازل کیا گیا اور جو کچھ تمھاری طرف نازل ہوا۔ یعنی خدا کی طرف سے جو کچھ ہوگا خواہ تمھارے یہاں تورات کے احکام کی صورت میں نازل ہوا ہو یا ہمارے یہاں قرآن میں نازل فرمایا گیا ہو، ہمارا اس پر ایمان ہے۔ ہمارا ایمان تو خدا کی نازل کردہ تعلیمات پر

ہے۔اس میں اس سے کوئی فرق پیدا نہیں ہوتا کہ وہ تعلیمات کب اور کہاں نازل ہوئی ہیں لیکن اگر وہ خدا کی طرف سے نہیں ہیں تو ہمارا ان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

حضور اکرم (ﷺ) نے اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَیْنَا کہنے کا حکم درحقیقت سورۃ البقرہ کی اس آیت کی روشنی میں دیا: قُوْلُوْآ اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَیْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓی اِبْرٰھٖمَ وَ اِسْمٰعِیْلَ وَ اِسْحٰقَ وَ یَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِیَ مُوْسٰی وَ عِیْسٰی وَمَآ اُوْتِیَ النَّبِیُّوْنَ مِنْ رَّبِّھِمْ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْھُمْ وَ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ○ (البقرہ:۱۳۶) ”کہو، ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس چیز پر جو ہماری طرف اتری اور اس پر کہ جو ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحاق اور یعقوب اور ان کی اولاد کی طرف نازل ہوئی اور موسیٰؑ وعیسیٰؑ کو ملی۔اور جو تمام نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے عطا ہوئی۔ہم ان میں سے کسی کو اس تعلق سے جو ان میں باہم پایا جاتا ہے الگ نہیں کرتے اور ہم صرف اسی کے فرماں بردار ہیں۔“

ایک روایت میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: لَا تَسْئَلُوْھُمْ عَنْ شَیْءٍ فَیُخْبِرُوْکُمْ بِحَقٍّ فَتُکَذِّبُوْا بِهٖ اَوْ بِبَاطِلٍ فَتُصَدِّقُوْا بِهٖ (احمد، ابن ماجہ، الطبرانی، البیہقی فی شعب الایمان) ”اہلِ کتاب سے دین کی کوئی بات مت پوچھو، کہیں وہ تمھیں کوئی سچی بات بتائیں اور تم اس کی تکذیب کردو، یا غلط بات بتائیں اور تم اس کی تصدیق کردو۔“

ایک روایت میں یہ تعلیم بھی ملتی ہے کہ اہلِ کتاب کی جس بات کی تائید قرآن سے ہوتی ہو اس کی تصدیق کرو اور ان کی جو بات قرآن کے خلاف ہو اس کی تردید کرو۔اور جس بات کے سلسلہ میں قرآن خاموش ہو تم بھی اس کے بارے میں توقف اختیار کرو، نہ اس کی تصدیق کرو اور نہ تکذیب۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ کسی بھی معاملہ میں عدل وانصاف کے تقاضے کو ملحوظ رکھنا اہل ایمان کے لیے کس قدر ضروری ہے۔

مروّت

(۱) عَنْ عَائِشَةَؓ قَالَتْ کَانَ النَّبِیُّ ﷺ اِذَا بَلَغَهٗ عَنِ الرَّجُلِ الشَّیْءُ لَمْ یَقُلْ مَا بَالُ فُلَانٍ یَّقُوْلُ وَ لٰکِنْ یَّقُوْلُ: مَا بَالُ اَقْوَامٍ یَّقُوْلُوْنَ کَذَا وَ کَذَا۔ (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کو جب کسی شخص کی کسی بری بات کی خبر ملتی تو آپؐ یوں نہ فرماتے کہ فلاں شخص کو کیا ہوا کہ وہ ایسا کہتا ہے بلکہ یوں فرماتے کہ لوگوں کا کیا حال ہو گیا ہے کہ وہ ایسا اور ایسا کہتے ہیں۔"

تشریح: یعنی آپؐ اس شخص کا نام لے کر تنبیہ نہیں فرماتے تھے بلکہ عام انداز میں نصیحت فرماتے تا کہ اس شخص کی رسوائی بھی نہ ہو اور وہ اپنی اصلاح کر لے اور دوسرے لوگ بھی متنبہ ہو جائیں کہ اس برائی سے انھیں دور رہنا چاہیے۔ اس سے اس کا بہ خوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ آپؐ کس قدر بامروّت تھے۔ نصح و ہدایت میں وہ طریقہ اختیار فرماتے جو انتہائی شریفانہ اور باوقار ہوتا۔ عامیانہ اور سطحی انداز آپؐ کا نہیں ہوتا تھا۔

﴿۲﴾ وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ قَدِمَ الطُّفَیْلُؓ وَ اَصْحَابُهٗ فَقَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ دَوْسًا قَدْ کَفَرَتْ وَاَبَتْ فَادْعُ اللّٰهَ عَلَیْهَا فَقِیْلَ هَلَکَتْ دَوْسٌ فَقَالَ: اَللّٰهُمَّ اهْدِ دَوْسًا وَ ائْتِ بِهِمْ۔ (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ طفیلؓ اور ان کے ساتھی آئے اور کہنے لگے کہ یارسول اللہ! دوس نے کفر اور انکار کی روش اختیار کی۔ لہٰذا آپؐ ان کے لیے بددعا کریں اس پر کچھ لوگوں نے کہا کہ ہلاک ہوئے دوس کے لوگ۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا: "اے اللہ! دوس کو ہدایت سے نواز اور ان کو میرے پاس لا۔"

تشریح: یہ حدیث بتاتی ہے کہ لوگوں کے لیے آپؐ کس درجہ دردمند تھے۔ آپؐ کو یہ گوارا نہ ہوا کہ آپؐ قبیلۂ دوس کے لیے بددعا کریں۔ بددعا کے بجائے آپؐ نے قبیلۂ دوس کے لوگوں کے حق میں دعا فرمائی کہ خدایا انھیں ہدایت سے بہرہ مند فرما اور انھیں اس بات کی توفیق دے کہ وہ اپنے رسول کی طرف رجوع ہوں۔

﴿۳﴾ وَ عَنْ اَبِیْ مُوْسٰیؓ قَالَ صَلَّیْنَا الْمَغْرِبَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ ثُمَّ قُلْنَا لَوْ جَلَسْنَا حَتّٰی نُصَلِّیَ مَعَهُ الْعِشَآءَ قَالَ فَجَلَسْنَا فَخَرَجَ عَلَیْنَا فَقَالَ: مَازِلْتُمْ هٰهُنَا قُلْنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّیْنَا مَعَکَ الْمَغْرِبَ ثُمَّ قُلْنَا نَجْلِسُ حَتّٰی نُصَلِّیَ مَعَکَ الْعِشَآءَ۔ قَالَ: اَحْسَنْتُمْ اَوْ اَصَبْتُمْ۔ قَالَ: فَرَفَعَ رَأْسَهٗ اِلَی السَّمَآءِ وَ کَانَ کَثِیْرًا